قرآن کا خاندانی طرز زندگی (تحقیقی مطالعہ)

ڈاکٹر آسیہ رشید*

خلاصہ:

فرد کی زندگی کا اہم ترین ادارہ خاندان ہے جو معاشرہ کی بنیاد ہے اسی لئے معاشرتی اداروں میں خاندان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے بلکہ یہی تعمیر معاشرہ کی بنیادی اینٹ ہے۔ آدم علیہ السلام سے آخری نبی محمد ﷺ تک آنے والے تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد اصلاح اور فلاح معاشرہ ہی تھا کتب مقدسہ اور قرآن کریم میں اہم مشترک بات احکام عشرہ عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ اور قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں خدا کو ایک معبود ماننے کے بعد والدین کے حقوق سے ہی شروع ہوتی ہے پھر ازواج یعنی میاں بیوی کے حقوق ہیں یہودیت اور عیسائیت میں بھی مرد کو گھر کا سربراہ بتایا گیا ہے فرد سے خاندان کی بڑھوتری شروع ہوتی ہے اور ایک گھر کا وجود عمل میں آتا ہے جس میں ایک دوسرے پر کچھ حقوق و فرائض لاگو ہوتے ہیں اولاد کے کیا حقوق ہیں۔ ہمسائے کے کیا حقوق ہیں؟ رشتہ داروں کے کیا حقوق ہیں؟ معاشرہ ایک خاندان سے کئی خاندنوں کے باہمی معاملات کا مجموعی ہوتا ہے اس لئے اس ادارہ کی اہمیت سب سے زیادہ ہے یہی تربیت میں کمی رہ گئی تو پورا معاشرہ فساد اور بربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس مقالہ میں خاندانی زندگی کی اہمیت، موجود آسمانی کتب میں خاندانی زندگی کا اسلوب، عہد نامہ قدیم/یہودی کتب میں خاندانی زندگی کا اسلوب، عہد نامہ جدید/عیسائی کتب میں خاندانی زندگی، قرآن اور دیگر آسمانی کتب میں خاندانی زندگی کے اسلوب کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ: خاندان، اسلوبِ زندگی، ادیان، آسمانی کتب، تقابل، قرآن

*اسسٹنٹ پروفیسر، نمل یونیورسٹی، لاہور کیمپس

اللہ نے انسان کو بے شمار نعمتیں دی ہیں انہی نعمتوں میں سے ایک نعمت زندگی ہے اور قرآن کریم سب سے عظیم نعمت ہے۔ ہم اللہ کی دی نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

[1] اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان (کی گنتی) کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

شکر بجالانا ہم پر لازم ہے لیکن افسوس کہ آج ہم اس سے غافل ہیں۔ جو زندگی اللہ رب العالمین کے قرآنی احکامات اور نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ کے مطابق گزرے وہی زندگی ہے اور جو زندگی قرآنی احکامات اور اسلوب کے مطابق نہ ہو۔ وہ زندگی اللہ کی نعمتوں کی ناقدری بھی ہے اور غیر انسانی اسلوب زندگی بھی ہے۔ جو نعمت جس قدر عظیمس ہوتی ہے اس کے شکر کے تقاضے بھی اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں۔ اگر اس کی ناقدری کی جائے تو پھر اس کی سزا بھی اسی قدر بڑی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ[2]

اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر میری ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

آج مسلمان تارک قرآن ہو کر دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں علامہ اقبال نے خوب کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر — تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

حدیث نبوی ہے کہ:

إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ[3]

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندی عطا کرتا ارو بہت سے دوسروں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔

یہ عزت بلندی سرفرازی انہی کا نصیب بنتی جو اللہ کے احکامات کو بجالاتے ہیں تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اللہ نے ان اقوام کو صفحہ ہستی سے مٹا کر عبرت کا نشان بنادیا جنھوں نے اللہ اور اس کے رسل کی نافرمانی کی۔ آج

---

[1]: ابراہیم: ۳۴

[2]: ابراہیم: ۷

[3]: صحیح مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا ، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ، وَيُعَلِّمُهُ ،حدیث نمبر: ۸۱۷

بھی وہی ذلت قران سے دوری والوں کا مقدر ہے۔کامیاب زندگی گزارنے کے لئے قرآن حکیم پر عمل کرنا اس کا فہم حاصل کرنااس کی تعلیمات سمجھنا سمجھنااخروی فلاح اور دنیاوی کامیابی کے لیے ناگزیر ہے۔

قرآن ہدایت اور رحمت ہے اسی کے اندر ہمارے تمام مسائل کا حل ہے یہ ہمارے عقائد عبادات معاملات اخلاقیات سیاسیات معاشرت و معیشت اور قانون ہر جگہ راہنمائی فراہم کرتا ہے اسی لئے یہ دنیاوی دینی اُخروی شفاء بھی ہے اور رحمت بھی نصیحت بھی تذکیر بھی اس کے اسلوب کو اپنا کر ہی غیر قرآنی زندگی سے نکل سکتے اور سکون کی نعمت پاسکتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ[1]

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت (قرآن) ہے اور جن کے دلوں میں روگ ہے ان کے لئے شفاء ہے اور راہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے مومنین کے لئے۔

قرآنی اسلوب زندگی کیا ہے؟ اسے جاننے کے لیے قرآن کے سمندر میں غوطہ زن ہونا پڑے گا اس سمندر کی گہرائی میں جاکر موتی اور سیپ تلاش کرنا ہے اس پر غور و فکر اور تدبر کر کے کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ[2]

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی سوچنے والا، نصیحت حاصل کرنے والا۔

غیر قرآنی اسلوب زندگی غیر اسلامی ڈھانچے میں ڈھلی زندگی کامیابی کی ضمانت نہیں بلکہ دونوں جہاں میں ذلت کا سبب ہے۔زندگی قرآن کے مطابق گزاری جائے تو مقاصد قرآن سمجھ آتے ہیں، نفس انسانی کی تہذیب ہوئی ہے، رد عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی نفی، یہی مومن سے مطلوب الٰہی ہے۔دنیا کے علوم کا مخزن قرآن حکیم ہی ہے سب علوم کی کونپلیں اسی سے پھوٹتی ہیں اور سب اسی قرآن کے محتاج ہیں اس لئے ضروری ہے کہ زندگی کو بامقصد بنایا جائے بے مقصد زندگی سے نکلا جائے اسلوب قرآن کے مطابق ہو جائے گا تو زندگی سے آہستہ آہستہ سب خطائیں جھڑ جائیں گی اللہ کے حکم کے مطابق زندگی رحمت سکون عافیت

[1]: سورۃ یونس:۵۷

[2]: سورۃ القمر: ۲۲،۱۷

اخروی نجات کی ضامن ہے اسی کا اس مقالہ میں مفصل ذکر کیا جائے گا کہ کون سی زندگی قرآن کا اسلوب کے زمرے میں آتی اور کون سی اس کی حدود اور دائرہ سے باہر نکل جاتی ہے۔

انعامات ربانی میں ایک بہترین انعام، امت مسلمہ کو نبی کریم ﷺ کے ذریعے دیا جانے والا قرآن حکیم ہے۔ سورہ یونس میں قرآن مجید کو رحمتِ خداوندی سے موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ[1]

یہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ یہ نعمت تمہیں نصیب ہوئی، پس یہ وہ چیز ہے، جس پر لوگوں کو چاہیے کہ خوشیاں منائیں،

جتنی بھی چیزیں دنیا میں لوگ سمیٹتے ہیں، قرآن کی نعمت، ان سب سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہے۔

قرآن کریم کے نزول کا بنیادی مقصد ہی انسانی زندگی کے اسلوب کو راہ حق دکھا کر اوصاف خداوندی سکھا کر درست طرز زندگی پر ڈھالنا تھا۔ بد تہذیبی ختم کرنے اور بدسلیقہ اور ناشائشتہ ہونے کے سبب اور پوری دنیا کی اصلاح کرنے، تہذیب سکھانے اور اسلوب زندگی درست کرنے کو اللہ نے قرآن اتارا۔ اللہ تعالی اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ[2]

بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔

مگر چونکہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف رہنمائی کرتی ہے' اس لئے اس کی روح ابدی' کلام کی تاثیر روحانی اور اس کی تعلیمات آفاقی ہیں یعنی یہ انسان کے لئے ضابطہ حیات ہے۔ انسان قرآنی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند ہے اگر وہ اس سے نظر پھیرتا ہے اور احکامات الہی سے روگردانی کرتا ہے تو خسارہ اٹھانے کا خود ہی ذمہ دار بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اسلوب بیان بھی انسانی فکر و نظر اور ذوق سلیم کے مطابق ہے یعنی انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کی ایک ایک نصیحت اس کے دل میں اترتی جاتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ قرآن مجھ ہی سے ہم کلام ہے۔ اس قرآن کا موضوع ہی انسان ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کا مطلوب ہے کہ انسان قرآنی اسلوب پر زندگی گزارے۔ ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس کا اسلوب بیان اس انداز کا ہے کہ ہر نفس کو فرداً فرداً یکساں طور پر متاثر

---

[1]: سورۃ یونس:۵۸

[2]: سورۃ یوسف:۲

کرتا ہے اور پڑھتے وقت یہی باور کراتا ہے کہ قرآن اس کے قلب پر نازل ہو رہا ہے۔ تاہم قرآن کے اسلوب بیان کے کئی پہلو ہیں جن کو سمجھنا چاہئے۔ ویسے اس کے اسلوب کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ[1]

ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں اس لئے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ[2]

تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔

ایک اور جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا[3]

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہاں والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔

اسی طرح ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ[4]

بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔

قرآنی اسلوب زندگی کا مفہوم

جو زندگی اللہ رب العالمین کے قرآنی احکامات اور اسالیب کے مطابق گزارتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ کی اتباع میں گزرے وہی اللہ رب العالمین کو پسند ہے اور جو زندگی قرآنی احکامات اور اسلوب کے مطابق نہ ہو اس میں الٰہی نافرمانی بھی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری بھی ہے اور یہی غیر انسانی اسلوب زندگی

---

[1]: سورۃ یوسف:۳

[2]: المائدہ:۱۵

[3]: الفرقان:۱

[4]: الاسرا:۹

بھی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جو نعمت جس قدر عظیم ہوتی ہے اس کے شکر کے تقاضے بھی اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں۔ اگر اس کی ناقدری کی جائے تو پھر اس کی سزا بھی اسی قدر بڑی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ[1]

اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر میری ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

آج مسلمان تارک قرآن ہو کر دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں علامہ اقبال نے خوب کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر   تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر[2]

یہ عزت بلندی سرفرازی انہی کا نصیب بنتی جو اللہ کے احکامات کو بجالاتے ہیں تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کو صفحہ ہستی سے مٹا کر عبرت کا نشان بنا دیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رُسل کی نافرمانی کی۔ آج بھی وہی ذلت قرآن سے دوری والوں کا مقدر ہے۔ کامیاب زندگی گزارنے کے لئے قرآن حکیم پر عمل کرنا، اس کا فہم حاصل کرنا اور اس کی تعلیمات سمجھنا سمجھانا اُخروی فلاح اور دنیاوی کامیابی کے ناگزیر امر ہے قرآن ہدایت اور رحمت ہے اسی کے اندر ہمارے تمام مسائل کا حل ہے یہ ہمارے عقائد عبادات معاملات اخلاقیات سیاسیات معاشرت و معیشت اور قانون ہر جگہ راہنمائی فراہم کرتا ہے اسی لئے یہ دنیاوی دینی اُخروی شفاء بھی ہے اور رحمت بھی نصیحت بھی اور تذکیر بھی، ہم قرآنی اسلوب کو اپنا کر ہی غیر قرآنی زندگی سے نکل سکتے اور سکون کی نعمت پا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ[3]

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت (قرآن) آئی ہے اور جس میں دلوں کے لئے شفاء ہے اور ہدایت ہے رحمت ایمان والوں کے لئے۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن   نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن[4]

---

[1]: ابراہیم: ۷

[2]: علامہ اقبال، کلیات اقبال، جواب شکوہ، اقبال اکادمی لاہور، ۲۰۰۴ء

[3]: سورۃ یونس: ۵۷

[4]: علامہ اقبال، رموز بے خودی، کتب خانہ نذیریہ اردو بازار دہلی

اگر تم مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو قرآن کریم کو زندگی کا حصہ بنائے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

کیا دنیا کی کوئی ایسی کتاب ہے ؟ جس نے نوع انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہو کہ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ ۱۴۰۰ برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے۔ اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جارہے ہیں۔ آج اگرچہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں براہ راست اس کے اثرات کم محسوس ہو رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج بھی امت مسلمہ کو اگر کوئی چیز بچارہی ہے اور بہت سے دلوں میں شعلہ بن کر سلگ رہی ہے اور جب اندھیرا گہرا ہو جائے گا تو وہ روشنی بن کر طلوع ہو گی اور اُمت مسلمہ نئے سفر پر نکل کھڑی ہو گی وہ یہی کتاب ہے یا وہ ذات ہے جس پر یہ کتاب نازل ہوئی تھی۔ یہی اس کا سب سے بڑا اعجاز ہے جس نے اس کتاب کو بے مثل اور معجزہ بنادیا ہے۔ اللہ کرے ؛ آج کے مسلمان اس حقیقت کو سمجھیں اور دنیا کو بھی سمجھائیں۔ قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور دنیا کو اسی راستہ پر چلائیں۔ جب ہی وہ بچ سکتے ہیں اور دنیا کو تباہی و بربادی کے راستے پر جانے سے بچا سکتے ہیں۔ قرآنی اسلوب زندگی کیا ہے ؟ اسے جاننے کے لیے قرآن کے سمندر میں غوطہ زن ہونا پڑے گا اس سمندر کی گہرائی میں جاکر موتی اور سیپ تلاش کرنے ہیں اس پر غور و فکر اور تدبر کر کے کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ[1]

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی سوچنے والا، نصیحت حاصل کرنے والا۔

ہر وہ شخص جو قرآن کریم کا کتابِ ہدایت و شفا کے طور پر خیر مقدم کرتا ہے اور قرآن مجید کے ساتھ اس کا طرزِ عمل حقیقی ہوتا ہے، اس کی شخصیت میں قرآن انقلاب پیدا کر دیتا ہے اور اسے ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ قرآنی تبدیلی کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ ہیں۔ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت کی انتہا پر تھے مگر قرآنی طریق زندگی اور طرز کو اپنا کر کامیابی و فلاح سے ہم کنار ہوئے۔

[1]: سورۃ القمر: ۲۲،۱۷

اس کتابِ عظیم میں انسانی زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے کی قوت وتاثیر اور استعداد کس قدر ہے، اس کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے؟ کون یہ سوچ سکتا ہے کہ ایک قوم جو صحرا میں رہتی ہو، علم ودانش سے تہی ہو، اس قوم کو بدلنے کے لیے قرآن آتا ہے تاکہ اس کی تشکیل جدید کرے، اسے زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچادے، اس قوم کے دلوں کو اللہ سے جوڑ دے تاکہ اس قوم کی غایت و مقصد صرف اللہ ہی بن جائے۔ یہ کس طرح ممکن ہوا؟ دراصل قرآن کریم کے ذریعے تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ قوم اس تغیر کے لیے آمادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ [1]

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

چند ہی سالوں کے بعد اس صحرا کے قلب سے ایک نئی قوت ابھری جس نے روم وفارس کی عظیم وقدیم سلطنتوں کو مٹا کے رکھ دیا اور عزت وذلت کے پیمانے بدل دیئے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ قرآن میں غوطہ زن ہو کر اپنے کردار میں جدت پیدا کرے چنانچہ اقبال فرماتے ہیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں　　اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار [2]

اسی طرح اقبال کا ایک فارسی شعر ہے:

آں کتاب زندہ قرآن حکیم　　حکمت او لایزال است و قدیم [3]

قرآنی اسلوب زندگی کا جائزہ (عقائد، عبادات معاملات، اخلاق ومعاشرت اور معیشت وغیرہ)

اللہ وحدہ لاشریک نے تخلیق کائنات کے بعد کائنات میں اپنا رنگ بھرنے کے لئے آدم وحوا کو پیدا کیا، جن کے ذریعے اللہ وحدہ لاشریک نے انسانی معاشرت سے دنیا کو رونق بخشی اور باعث تخلیق کائنات، محسن انسانیت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسانی معاشرے میں تہذیب وتربیت کے لیے اور اس لیے کہ دنیا خوشی مسرت اور سکون واطمینان کا گہوارہ بنی رہے اور انسانی زندگی جملہ امور احکامات الٰہی کے مطابق انجام پاتے رہیں، انسان کو قرآن مجید کی شکل میں ایک ضابطہ حیات عطاء فرمایا، جس میں انسان کے لئے معاشرتی زندگی گزارنے کے بہترین اُصول بیان کئے گئے ہیں تاکہ انسان جو خیر وشر کا مجموعہ ہے بالکل پایہ انسانیت سے

---

[1]: الرعد: ۱۱

[2]: علامہ اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، اقبال اکیڈمی لاہور، ص: ۱۴۸

[3]: علامہ اقبال، کلیات اقبال، رموز بے خودی، اقبال اکیڈمی لاہور۔ ص: ۱۰۹

گرہی نہ جائے بلکہ اس طرح زندگی گزارے کہ اس کی ذات انسانوں کے لئے باعث خیر و برکت ہو، باعث شر نہ ہو۔

زندگی کے قرآنی اسلوب پر عمل پیرا ہونے کے لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے دیے احکامات میں سے عقائد، عبادات، معاملات، قانون اور اخلاقیات کی حد درجہ ضرورت بھی ہے اور اہمیت بھی ہے۔اس لئے ان کا اجمالی جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ قرآنی اسلوب کی بہتر طور پر وضاحت ہو سکے۔

عقائد و عبادات

انسان کے دل اور ارادے پر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے راست اور صالح عمل کے لئے ضروری ہے کہ چند صحیح اصولوں کا اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقائد بن جائیں۔اسی مستحکم عقیدے کے تحت ہم تمام کام انجام دیں۔ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے اور یہی ہماری سیرابی کا اصل سرچشمہ ہے۔ خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کا حصول، ہمارے اعمال کی غرض وغایت ہیں اس کے بغیر ہمارے سب کام بے مقصد ہیں۔ عقیدہ دراصل ان فیصلوں کا نام ہے جنہیں انسان اپنی عقل سے سوچ کر، کانوں سے سن کر، اور قوانین الٰہی کے ذریعے پرکھ کر صادر کرتا ہے۔یہ فیصلے دوٹوک اور بے لاگ ہوتے ہیں بندہ مانتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ وہ ذات واحد ہے جس نے اسے وجود بخشا وہی خالق، مالک اور رازق ہے۔اس نے کل کائنات کو اپنی پرستش اور بندگی کے لئے پیدا کیا اسی غرض کے لئے اس نے انبیاء ورسل ہر قوم اور ہر زمانے میں مبعوث کئے اور ان پر الہامی کتب نازل کیں۔

عقیدے کے معنی ہیں وہ قلبی تصدیق جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرتی ہے اس سے مراد وہ بات ہے جسے انسان اپنے دل سے اس طرح تسلیم کرے کہ اس بات پر اسے سکون وثبات مل جائے اور وہ اس کے دل سے پورا مرتبط ہو جائے کہ طلب و تردد کا مزید سلسلہ منقطع ہو جائے[1]۔عقائد تمام اعمال کی اساس ہیں جس

جس

کے بغیر ہر عمل بے بنیاد اور بے اصل ہے۔خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی انسانی اعمال کی غرض و غایت ہے یہ نہ ہو تو تمام اعمال بے مقصد و بے معنیٰ ہو جاتے ہیں۔اس کے برعکس جو اعمال ایمان سے خالی ہوں اور ان میں ریاکاری، نمود و نمائش اور شہرت طلبی ہو، وہ اعمال نیک ہونے کے باوجود بے وقعت

---

[1]: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ص: ۱/۱۴ ، ص: ۴۲

ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چند سیدھے سادھے اصول وضع کیے ہیں جن کو عقائد کہا جاتا ہے اور ان پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، اس کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان، تقدیر پر ایمان اور آخرت پر ایمان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان تمام عقائد کا دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔

عقیدہ توحید:

عقائد میں سب سے زیادہ بنیادی عقیدہ توحید ہے اور اسی عقیدہ پر آخرت کی نجات ہے۔ سیدنا آدمؑ سے لے کر جناب رسول اللہ ﷺ تک ہر نبی نے اسی عقیدہ کی تبلیغ واشاعت کی۔

توحید کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حکم یا قانون میں کسی دوسرے کو شریک نہ سمجھا جائے یا خدا کو ایک ماننا وحدانیت یا توحید کہلاتا ہے اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، بے نیاز ہے، سارے جہان کا رب ہے۔ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے ساری مخلوق کو عدم سے وجود بخشا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ - اللَّهُ الصَّمَدُ - لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ - وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ [1]

(اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے فرما دیجئے کہ) وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

عقیدہ کی ضرورت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان کی جبلت میں قابل پرستش مقامات کی طرف میلان موجود ہے۔ چونکہ یہ میلانات انسان میں موجود ہیں تو ان کی درست طریقے سے نشوونما ضروری ہے۔ تاہم اگر ان کی نشوونما درست نہ ہو تو یہ منحرف راستے پر چل نکلتے ہیں۔ بت پرستی، شخصیت پرستی، اور طبیعت پرستی وغیرہ اسی قسم کے انحراف سے پیدا ہوتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ [2]

---

[1]: سورۃ الاخلاص، ۱تا۴

[2]: آل عمران: ۳۸

کیاوہ دین خدا کے سوا کسی اور چیز کی جستجو کرتے ہیں، جبکہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے
اسی کے حضور سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔

مذہبی عقیدے کااثر نتیجے اوراچھی جدوجہد کے بارے میں پرامید ہونا ہے۔ایک باایمان شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، اگر برے حالات ہیں تو وہ جلد یابدیر ایک نہ ایک دن ضرور صحیح ہو جائیں گے۔اور ایک اللہ پر ایمان توکل کی طرف لے جاتا ہے اور وہ ہر کام میں اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی پر پختہ یقین رکھ کر اپنی ہمت طاقت اور سپردگی سے اس کی اطاعت میں لگا رہتا ہے تا کہ جو زندگی اللہ کو مؤمن سے مطلوب ہے اس کے مطابق زندگی کو گزارے اور قرآن کو دل کی بہار بنالے جس میں ضابطہ قوانین بتادیئے گئے ہیں۔

عقیدہ رسالت: قرآن کریم کی رو سے نبی کی مکمل اطاعت اور پیروی شرط ایمان ہے۔اسے بلا چوں وچرا تسلیم کرنافرض ہے۔کیونکہ یہ ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے اور سراپا حق ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ[1]

اور ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اس لئے بھیجا کہ اذن خداوندی کے مطابق اس کی
اطاعت کی جائے۔

اسی طرح ارشادربانی ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ[2]

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ
اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو، اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے
ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔

عقیدہ آخرت: مذہب جن حقیقتوں کو ماننے کی ہمیں دعوت دیتا ہے، ان میں سے ایک اہم ترین حقیقت آخرت ہے۔آخرت سے متعلق اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسان کو صرف ایک دفعہ دنیا میں پیدا

---

[1]: النساء:٦٤

[2]: النحل:٣٦

کرتا اور مارتا ہے۔ پھر قیامت کے دن اُسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس عقیدے سے مختلف یا متضاد و متناقض جملہ عقائد غیر اسلامی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ[1]

تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے؟ اُس نے تمہیں زندہ کیا، یعنی زندگی بخشی، پھر تمہیں مارے گا، بعدازاں تمہیں زندہ کرے گا، پھر اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ہر ایک نے موجودہ دنیا میں جو اچھے یا برے عمل کیے ہیں، وہ تمام وہاں خدا کی عدالت میں پیش ہوں گے، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق انعام یا سزا دی جائے گی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ[2]

اور وہی تو ہے جو رات میں تم پر موت طاری کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے پھر دن کے وقت تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کر دی جائے پھر اس وقت کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر اس وقت وہ تم کو تمہارے اعمال جو کچھ دنیا میں کرتے رہے ایک ایک کر کے بتادے گا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[3]

ہر شخص ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

---

[1]: البقرہ:۲۹

[2]: الانعام:۶۰

[3]: آل عمران:۱۸۵

عبادت:

عبادت سے مراد ایسے اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ بندوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس سے ربط کو مستحکم کریں، اس کی عبودیت کا دم بھریں اور صرف ایک خدا کو اپنا سہارا بنالیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانوں کو معبود حقیقی سے ملانے کا کام اور ایسے اصول وضوابط بیان کئے جن پر چل کر ایک انسان حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے، بہت سے بندوں نے ان کی دعوت قبول کی اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں تھی، وہ اس دعوت سے دور رہے اور ہمیشہ کے لیے ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

عبادت اور اسلامی اصول کے مطابق زندگی گذارنے کے لیے ہی انسان کی تخلیق عمل میں آئی ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے جتنا بھی جتن کیا جائے کم ہے، تمام انبیائے کرام نے اس ذمہ داری کا احساس دلایا ہے اور ہر ایک کی یہی دعوت تھی:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ- الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ[1]

لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان سب کا خالق ہے تاکہ تم اس سے ڈرو، وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اور اس سے پانی برسایا اور اس کی بدولت ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا، پس جب تم یہ جانتے ہو تو اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی مشترکہ دعوت توحید وآخرت تھی، یعنی تمام نبیوں اور رسولوں نے بندوں کو خدا سے جوڑنے اور اسی کی عبادت کرنے کی تلقین کی، معبودان باطلہ اور دنیا کی چمک دمک سے منہ موڑنے کی ہدایت دی اور صاف صاف واضح کر دیا کہ عبادت کے لائق صرف ایک خدا کی ذات ہے، اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی کو اپنا سہارا اور ٹھکانا بنانا چاہئے، اس کا ذکر سورۃ الانبیاء: ۲۵ میں موجود ہے۔ اسی طرح سورۂ

[1]: البقرہ: ۲۱ - ۲۲

شعراء میں مختلف انبیاء کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سب کی دعوت کا مفصل بیان ہے، تمام انبیاء کرام کی یہی فکر تھی کہ کسی طرح انسان خدا آشنا ہو جائیں، اس کی عبودیت اور بندگی کو مقصد حیات بنالیں یہی اسلوب اپنانے پر زندگی قرآن کے مطابق ڈھل کر اخروی کامیابی کی ضامن ہو سکتی ہے۔

قرآن کا تصور عبادت یہ ہے کہ انسان کا اپنی پوری زندگی میں ہر قدم خدا کی بندگی کی راہ میں اُٹھے زندگی اسی کی بندگی میں بسر ہو۔ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو اس دنیا میں انسان جو کچھ بھی کرے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق کرے اور اس کا ارادہ متزلزل نہ ہو۔ عبادت احکامات الٰہی کی پیروی کا نام ہے اور اس کا مقصد رضائے الٰہی اور تقرب اِلی اللہ ہے۔ آدمی خدا کی خدائی کا زبان سے اقرار کرے یا محض ایک علمی فارمولا کی حیثیت سے اس کو سمجھ لے یہ کافی نہیں بلکہ اس کے لئے ناگزیر ہے کہ اسے بار بار ابھارا جائے اور تازہ رکھا جائے یہی کام ہے جو نماز کرتی ہے۔ انسان جب کاموں میں مصروف ہوتا ہے تو احساس بندگی کا نقش دھندلا ہو جاتا ہے تو اسے تازہ کردے۔ اس طرح نماز کے ذریعے انسان کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو۔ [1]

انسان میں دو پہلو ہیں ایک مادیت و بہمیت کا اور دوسرا روحانیت اور ملکوتیت کا۔ اور اس کا اپنے پیدا کرنے والے (خالق) کے ساتھ خاص تعلق روحانی پہلو سے ہو اور یہی پہلو اصلی اور قیمتی پہلو ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔ دنیا میں انسان جو کھاتا پیتا ہے اور اس قسم کی اپنی دوسری خواہشات پوری کرتا ہے اُس سب کا تعلق اُس کے بہیمی اور مادی پہلو سے ہے۔ روحانی پہلو جو انسان میں عالم ملکوت کا حصہ ہے اور جس کی وجہ سے وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اس کی ترقی اور اس کے نشو و نما کا ذریعہ عبادات ہیں۔ عبادات کے ذریعے انسان ملاء اعلیٰ سے ایک خاص مناسبت اور ربط پیدا کرتا ہے۔ ملاء اعلیٰ سے ربط اور مناسبت پیدا کرنے کی جو تاثیر اور انسان کے روحانی اور ملکوتی پہلو کی ترقی اور تکمیل کی جو خاصیت عبادات میں ہے وہ کسی دوسرے عمل میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے گوکہ دوسرے تمام اعمال اگرچہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق کیے جائیں اور ہماری نیت بھی حکم الٰہی کی تعمیل کی اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کی ہو لیکن ان کا تعلق مخلوق سے بھی ہوتا ہے مثلاً اخلاق، معاملات، معاشرت، سیاست، حکومت، تعلیم و تعلم اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان سب اعمال کا رخ مخلوق کی طرف ہے۔ خالق کے ساتھ اُن کا تعلق صرف اتنا ہے کہ یہ بھی اسی کے احکام ہیں لیکن عبادات کا تعلق براہ راست معبود سے ہے اور اس میں بندے کا رخ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی

---

[1]: The New Encyclopaedia Britannica ,v:9, : p:442 مولانا عاصم نعمانی، نماز کا مقام، ص:۱۸تا۲۶

طرف ہوتا ہے۔ یہی عبادات کا امتیاز ہے اور قرآن میں عبادات پر زیادہ زور اسی لیے دیا گیا ہے۔[1] عبادت میں انسان کو حکم ہے کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ[2] کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

امام راغب کے مطابق عبادت دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک عبادت بالتسخیر اور دوسری عبادت بالاختیار۔ اول الذکر عبادت سے مراد وہ عبادت جس کا صدور از روئے فطرت اور وجدان ہوتا ہے۔ اور ثانی الذکر اختیاری ہے مثلاً عبادات شرعیہ۔[3]

اصل عبادت صرف اللہ کی ہے اور وہی حقیقی ہے اور اسی کی طرف قرآن بلاتا ہے۔ عبادت کی ایک عمومی غیر رسمی شکل دعا ہے لیکن شریعت کی طرف سے نافذ عبادات میں نماز کو اپنی رسمی شکل میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ عبادت میں خشوع و خضوع پر زیادہ زور دیا گیا ہے جس سے رب کی عظمت اور عبد کے تذلل کا اظہار ہوتا ہے۔ عبادات کا اہم مقام اخلاص ہے اور خدا سے استعانت کا احتیاجی پہلو بھی آتا ہے۔ کیونکہ بے بسی سے چھٹکارا پانے کے لئے انسان اپنے رب کو پکارتا ہے۔ عبادت رب العالمین کا اس کے بے پایہ انعام کی وجہ سے بندے پر حق ہے۔

عبادات میں ارکان اسلام کی بہت اہمیت ہے توحید، رسالت اور آخرت کے بعد مسلمان پر فرض عبادات میں سے نماز روزہ زکوۃ اور حج ہیں ۔ قرآن نے اس کا ذکر واضح طور پر کیا اور بار بار کیا ہے جن میں سے ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کو فرض کیا مثلاً ارشاد ربی ہے

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا[4]

اسی طرح ماہ رمضان کے روزے فرض کیے اس کا ذکر سورہ المائدہ: ۴۸ میں ملتا ہے۔ صاحب استطاعت پر حج کی فرضیت کا ذکر آل عمران ۹۷ میں ملتا ہے اور زکوٰۃ سورۃ التوبہ میں ہے جو مال کو پاک کرتی ہے۔ یہ عبادت صاحب استطاعت کے سے یعنی زکوۃ اڑھائی فیصد مال اور زیور سے جس پر ایک سال کامل گزرے اور حج ہر عاقل و بالغ پر جو صاحب مال ہو۔ اسی طرح نفلی عبادات، قربانی اور صدقات ہیں وغیرہ۔

---

[1]: منظور نعمانی، دین و شریعت، ادارہ اسلامیات لاہور، ص: ۱۲۵

[2]: ھود: ۲۶

[3]: امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص: ۲/ ۶۶۳

[4]: النساء: ۱۰۳

اخلاق

اسلام میں اخلاقیات کو جو بلند مقام حاصل ہے اور اسلام کے آنے کا بڑا مقصد بھی یہ ہے کہ انسان کے اخلاق کو درست کیا جائے۔ طبائع سنوریں، کردار میں نکھار آئے، مزاج پھلے پھولیں اور جذبات واحساسات اور خواہشات پر قابو پایا جاسکے کیونکہ جب تک انسان کے اخلاق اچھے نہ ہوں تو انسان کو انسان ہونا زیب نہیں دیتا بلکہ وہ حیوان اور شر الدواب ہے۔ معاشرے میں جب لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات بنائے جاتے ہیں تو سب سے پہلے جو چیز دوسروں کو متاثر کرتی ہے وہ اخلاق ہی تو ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالی نے نبی ﷺ کے متعلق فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ [1]

اللہ تعالی کی رحمت کے باعث ہی تو آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

یعنی اگر آپ ﷺ بد خلق، سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے بھاگ جاتے لیکن اللہ کی کمال مہربانی سے آپ نرم خُو تھے، تاکہ ان کے دل آپ (ﷺ) سے لگے رہیں۔ قرآن مومنین سے اچھے اخلاق کی تاکید کرتا ہے اسی لئے اُسوہ نبوی ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق واضح اعلان کر دیا:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ [2]

اور بلاشبہ آپ تو بڑے عظیم اخلاق والے ہیں۔

اسی عظیم اخلاق نے لوگوں کو آپ ﷺ کا گرویدہ بنادیا کہ لوگ جان تک دینے سے گریز نہ کرتے تھے جیسا کہ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جو ایمان لانے کے بعد فرمایا کہ:

« ---يَا مُحَمَّدُ، وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى الأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الوُجُوهِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ مَا

[1]: آل عمران:۱۵۹

[2]: القلم:۵

كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ البِلاَدِ إِلَيَّ،--- »[1]

اے محمد ﷺ! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ میرے لیے برا نہیں تھا لیکن آج آپ ﷺ کے چہرہ سے زیادہ مجھے کوئی چہرہ محبوب نہیں. اللہ کی قسم کوئی دین آپ ﷺ کے دین سے زیادہ مجھے برا نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ ﷺ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہے. اللہ کی قسم! کوئی شہر آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ مجھے برا نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ ﷺ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔

حسن و قبح، اچھے اور برے کا یہ معیار ثمامہ بن اثال کے اندر کس چیز نے پیدا کیا؟ اگر دیکھا جائے تو وہ آپ ﷺ کا بلند ترین اخلاق تھا۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہر شخص جو صاحب ایمان ہے کہ اپنے اخلاق کو بہتر سے بہتر بنائے تاکہ معاشرہ پاکیزہ بن جائے۔ اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی اللہ نے اخلاق حسنہ کا حکم دیا ہے. اور نبی کریم ﷺ اپنی امت کو اچھے اخلاق کی ترغیب دیتے ہیں.

اللہ نے اخلاق حسنہ کا حکم دیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا[2]

اور لوگوں کو اچھی بات کہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باري تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ[3]

در گزر کریں اور اچھائی کا حکم دیں

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا دونوں آیات میں اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے حسن اخلاق کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1]: صحیح بخاري، كِتَابُ المَغَازِي ، بَابُ وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ، وَحَدِيثِ ثُمَامَةَ ، حدیث نمبر: ۴۳۷۲

[2]: البقرۃ: ۸۳

[3]: الاعراف: ۱۹۹

اتَّقِ اللَّهِ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ[1]

اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو اور برائی کے ہونے کے بعد نیکی کرو وہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کا محبوب بنانا چاہتا ہے تو وہ اسلام کے اخلاقی نظام کو اپنے ساتھ متصف کرے۔ حسن خلق سے عمومی طور پر مراد لوگوں سے اچھا برتاؤ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کی گواہی تو خود اللہ تعالیٰ نے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے خلق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ[2]

یعنی آپ نے قرآن کے آداب اس طرح اختیار کر لیے تھے کہ اسکے احکام پر عمل اور اس کے نواہی سے اجتناب اس طرح تھا کہ قرآن کی ہر بات آپ کی قلبی عادت بن گئی تھی۔ حسن خلق کے اس مفہوم میں ارکان اسلام، حقوق العباد، صبر، شکر، وفائے عہد، صدق، امانت، عدل، صدقہ، جہاد اور احسان غرض سبھی کچھ شامل ہے۔[3]

اسلام کا اخلاقی نظام اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے اس لیے کہ یہ عارضی اور وقتی نہیں ہوتا بلکہ اخلاق کا اطلاق انہی عادات اور اعمال پر ہوتا ہے جو پختہ ہوں۔[4] کسی عمل میں دوام اور ہمیشگی بھی آسانی پیدا کرتی ہے اس لیے آپ ﷺ ہمیشہ یسروا ولا تعسروا کا سبق دیا کرتے تھے۔ ان تمام دلائل سے یہ بات ملتی ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ انہی اعمال کو پسند کرتے جن پر ہیشگی کی جائے اور آپ ﷺ جو عمل بھی کرتے اس پر خود بھی مداومت کرتے تھے چاہے ان کا تعلق عبادت، اخلاقیات یا معاملات سے ہو ہمیشہ ان پر مداومت فرمایا کرتے۔ نبی رحمت ﷺ کی ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق سے تو لوگ مہذب و متمدن بنتے ہیں سلیقہ و شعار ان کا طُرح بنتا ہے۔ معاشروں سے بدامنی بھی جاتی ہے اور امن آتا ہے۔ معاشرے تطہیر و

---

[1]: ترمذی، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي مُعَاشَرَةِ النَّاسِ، حدیث نمبر: ۱۹۸۷

[2]: صحیح مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا ، بَابُ جَامِعِ صَلَاةِ اللَّيْلِ ، حدیث نمبر: ۱۳۹ (۷۴۶)

[3]: حافظ عبدالسلام، شرح کتاب الجامع من بلوغ المرام ص: ۳۲

[4]: حافظ زاہد علی، پیغمبر اسلام اور اخلاق حسنہ، ص: ۱۷۱

پاکیزگی کا بے مثال و بے نظیر نمونہ بنتے ہیں۔ جیسے نبی رحمت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بے مثال و بے نظیر ریاست کی بنیاد رکھی۔

قرآنی اسلوب اپنا کر ہی دنیا میں امن اور کردار میں نکھار لایا جاسکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ [1]

اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اپنی آواز کو نبی ﷺ کے سامنے اُونچا نہ کرو ان کے سامنے اونچی آواز سے بولنا بھی اپنے اعمال کو برباد کرنے والی بات ہے۔ یعنی نبی رحمت ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولنا ایمان کو برباد کرنے کا سبب ہے کیونکہ یہ گستاخی ہے، یہ بداخلاقی ہے اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ ان کا مقام ورفعنا لک ذکرک ہے. خدا تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ان کا مقام ہے یہ تو نبی رحمت ﷺ کے پاس آنے کے آداب وسلیقہ کے بارے میں ہے و گرنہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا [2]

جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے اس کا ہمارے سے تعلق نہیں۔

یعنی جس کو ادب، احترام، اخلاق اور تمیز نہیں اس بدنصیب سے نبی رحمت ﷺ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ سورۃ الحجرات میں معاشرتی تعلیمات کا مفصل بیان ہے قرآن کے اسلوب کو کیسے اپنانا ہے نبی کریم ﷺ کا احترام کس طرح کرنا ہے؟ مثلاً معاشرہ کو بدامنی سے بچانے اور صلح کی طرف مائل ہونے کو اللہ نے پسند کیا اگر مومنوں کی دو جماعتیں کبھی آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروا دیا کرو (تاکہ اغیار کی سازشیں ناکام ہوں) کیونکہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہ اخلاق ہی تو ہے کہ آپس میں لڑنا نہیں اگر کوئی لڑ پڑے تو صلح کرادو۔ کتنی عمدہ قرآن کی اخلاقی تعلیمات ہیں کیونکہ اس سے انار کی، بدامنی

[1]: الحجرات:۲

[2]: سنن ترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الصِّبْيَانِ ، حدیث نمبر:۱۹۱۹

اور حسد ختم اور اغیار کی سازشیں ناکام ہو جائیں گی مگر یہ تبھی ممکن جب کردار میں تقویٰ ہو تو رب ہمارے معاشروں پر رحمت وہ خود کرے گا۔ اسی طرح دیگر برائیوں سے انسداد سے معاشرہ کو کس طرح محفوظ رہنا چاہئیے؟ مثلاًارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ[1]

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے مذاق نہ کرے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو نہ ہی کوئی عورت کسی دوسری عورت سے مذاق کرے ممکن ہے دوسری عورت بہتر ہو کسی پر عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے بھی نہ پکارو۔

دنیا میں مہذب قوموں کی شان ہے کہ ان میں یہ صفات ہوں کیوں کہ قرآن میں مخاطب ایمان والے ہیں لہٰذا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بداخلاقیاں تم میں نہ ہوں .تاکہ معاشرہ امن کا گہوارہ بنے اور معاشرے میں راحت و سکون ہو۔ یہ اخلاقیات ہی تو ہے مزید آپس کی اخوت کو محبت کے رشتوں میں پرونے کیلئے اور اخوت ایمانی کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے منع کرتی ہے اسی لیے تو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلاَ تَحَسَّسُوا، وَلاَ تَجَسَّسُوا، وَلاَ تَنَاجَشُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا[2]

بدگمانی سے بچو، بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے، کسی کا راز معلوم نہ کرو، کسی کا عیب نہ تلاش کرو، بولی پر بولی نہ لگاؤ، حسد، بغض اور تعلقات منقطع نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

حدیث نبوی میں کتنا عظیم اخلاقی سبق دے دیا گیا ہے۔ اپنی اُمت اور معاشرے کو پر سکون بنانے کیلئے اور اس حدیث کے آخری الفاظ ہی اخلاق کو مزید واضح کر دیتے ہیں کہ جب معاشرے میں سب بھائی بھائی بن کر رہیں گے ایک دوسرے کے متعلق برا گمان نہیں کریں گے ,ٹوہ نہیں لگائیں گے ،عیب تلاش نہیں کریں گے غیبت نہیں کریں گے، کینہ و بغض نہیں رکھیں گے تو ظاہری سی بات ہے کہ معاشرہ پاکیزگی کا اعلیٰ

---

[1]: الحجرات:۱۱

[2]: صحیح بخاری، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ،حدیث نمبر:۶۰۶۶

نمونہ ہو گا کیونکہ جب دل ہی صاف و شفاف ہوں گے تو فساد بدامنی اور لڑائی جھگڑے نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ نے ہمیں بتلایا جو ہم نے تمہارے اندر اقوام و قبائل وغیرہ بنائے ہیں ان کا مقصد پہچان ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں کیونکہ یہ بھی اخلاقی تعلیم کا بھی حصہ ہے۔ اللہ کے نزدیک عزت والا صرف متقی ہے. یہ معیار تو خالق کائنات کا ہے مگر مغربی ممالک کے بے جا تنقید کرنے والے دن رات مسلمانوں کی تذلیل کیے جا رہے ہیں اور کہیں مذہب کی بنیاد پر انسانیت کی توہین کر رہے ہیں۔ ان کے معیار کیا ہیں؟ کہیں یہ لوگوں کی تلاشی برہنہ کر کے لیتے ہیں جبکہ انہوں نے اپنے لیے اور معیار قائم کر رکھا ہے۔ ان کے ہاں حسن و قبح کا معیار اور ہے اور خالق کائنات کے ہاں جانچنے کا معیار اور ہے یعنی زندگی صحیح طریق پر گزارنے کے لئے صرف قرآن حکیم کا اسلوب ہی دنیاوی فلاح اور اُخروی کامیابی کا ضامن ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اخلاق ہی کے ذریعے سے معاشرے میں امن و سکون آ سکتا ہے مگر اخلاق کا ماخذ بھی معلوم ہوا وہ شریعت محمدی ہے اور جو تعلیمات نبی کریم ﷺ کے ذریعے قرآن حکیم کے نزول اور اس پر آپ ﷺ کے عمل نے دیں ان ہی کے ذریعے سے قلوب میں اُنسیت پیدا ہو سکتی ہے جو معاشرے کے امن اور ترقی کے لئے ضروری ہے قرآن اسی زندگی کی ترغیب دیتا ہے۔

معاملات:

جمال الدین العیاشي فرماتے ہیں:

المعاملات جمع معاملة وهى تبادل الأموال و المنافع بين الناس بواسطة العقود و التصرفات.[1]

معاملات جمع ہے معاملہ کی اور اس کا مطلب لین دین اور معاہدوں کے ذریعے لوگوں کے درمیان فائدے اور اموال کا تبادلہ ہے۔

سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"ہماری مراد معاملات سے وہ تمام احکام شرعیہ ہیں جن کا تعلق ان تمام حقوق العباد سے ہے جن کی حیثیت قانون کی ہے جن میں معاملات اور مزاجر دونوں داخل ہیں اور جن کا منشا جان، مال و آبرو کی حفاظت ہے خواہ وہ اشخاص کی مصلحت سے متعلق ہوں یا خاندان کی یا پوری آبادی و مملکت کی، آگے چل کر مزید فرماتے ہیں: "اب

[1]: جمال الدین العیاشي، المعاملات المالية فى الاسلام ۔ طبع اول، تونس، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۳

ہماری نئی اصطلاح میں معاملات سے مقصود مسلمانوں کے وہ تمام انسانی کاروبار ہیں جن کا تعلق معاشرت مال ودولت اور حکومت کے ضابطوں اور قوانین سے ہے"۔[1]

منظور نعمانی لکھتے ہیں:

" معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں جیسے قرض ، امانت ، خرید و فروخت، نوکری اور مزدوری وغیرہ"۔[2]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح ہمیں عبادات کا مکلف بنایا ہے اسی طرح کچھ معاملات کا مکلف بھی بنایا ہے تاکہ معاشرہ میں فتنہ و فساد کو دبایا جاسکے اسلام نے جس طرح سے ہر مسئلہ میں ہماری رہنمائی کی ہے بعینہ اسی طرح معاملات کے باب میں بھی کی ہے تاکہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کے وقت کن باتوں کا خیال رکھیں ؟ کون سی چیزیں حلال اور کون سی چیزیں حرام ہیں؟ کیونکہ دین صرف عقائد و عبادات کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ معاملات بھی ہیں جن کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے. ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ[3]

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کیا اور انہیں بتایا کہ غلط طریقوں سے ایک دوسرے کا مال مت کھانا کیونکہ یہ حرکت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بڑا سخت حساب لے گا اور دنیا میں بھی اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مندرجہ بالا آیت کے بعد والے حصہ میں فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ[4]

اور مت قتل کرواپنے آپ کو

[1]: علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص: ۴ / ۳۳۷

[2]: منظور نعمانی، دین وشریعت، ص: ۱۶۶

[3]: سورۃ النساء: ۲۹

[4]: سورۃ النساء: ۲۹

ظاہر ہے جب تم آپس کے اپنے معاملات میں درست طریقے نہیں اپناؤ گے تو اس کا نتیجہ زمین میں قتل و فساد ہو گا لہٰذا اپنے معاملات بالکل درست رکھو۔ قرآن میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ[1]

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

سماج کے بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو معمولی سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں جس کا نتیجہ بعد میں لڑائی جھگڑوں کی صورت میں سامنے آتا ہے.

اس مکمل آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملات کے احکام بیان کئے ہیں یعنی جب لین دین اور خرید و فروخت اور ادھار کا معاملہ کیا جائے تو معاملے کی صفائی کیلئے لکھ لیا جائے اور اس پر دو منصف گواہ بھی ٹھہرا لیے جائیں یا اگر قرض لینے کی صورت پیش آجائے تو مقروض اپنی کسی چیز کو رہن (گروی) رکھوا دینا چاہیے تاکہ اسے اطمینان ہو جائے۔ یہ سب اس لئے ہے تاکہ معاملہ صاف رہے اور کسی قسم کا جھگڑا فساد نہ ہو کیونکہ زیادہ تر حالات تب ہی خراب ہوتے ہیں جب معاملات مبہم ہوں۔ معیشت کی درستگی اور تجارت اور سوداگری میں معاملات کو صاف رکھنے سے بڑی ترقی ہوتی ہے۔ جھوٹ سے کبھی برکت نہیں ہوتی بلکہ برکت ہمیشہ اپنے معاملات میں سچائی کو اختیار کرنے میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر معاملہ میں عدل و انصاف، سچائی اور حقیقت کو پسند کرتے یعنی اسلام میں، ہر موقع پر معاملات کی درستگی کا بتایا گیا ہے۔ گھر میں، مارکیٹ میں، مسجد میں عدالت میں، الغرض کوئی ایک ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں ہمارے لیے راہنمائی نہ ہو۔ آج مسلمان دشمنوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہیں کہ دنیاوی معاملات میں دین کو ترجیح نہ ہو کیونکہ مذہب پرائیویٹ معاملہ ہے جب کہ ہمیں تو اسلام ہی ہر موقع پر راہنمائی کرتے نظر آتا ہے قوم شعیب علیہ السلام نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام سے کہا:

قَالُوا يَاشُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ[2]

---

[1]: البقرة: ۲۸۲

[2]: ھود: ۸۷

قوم نے کہا !کہ اے شعیب ! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے تھے یا جیسے ہم چاہتے ہیں اپنے اموال میں تصرف کرنا چھوڑ دیں۔

مولانا عبد الرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

"ان لوگوں کا اپنے مال میں تصرف کا مطلب یہ تھا کہ ہم جن جائز اور ناجائز ذرائع سے مال کمائیں یا جن کاموں میں ہم چاہیں خرچ کریں ہم پر کچھ پابندی نہیں ہونی چاہیے. گویا عبادات کے متعلق ان لوگوں کا نظریہ وہی تھا جو آج کل کی اس دنیا کا ہے جسے مہذب سمجھا جاتا ہے، یعنی عبادت بندے اور خدا کا ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ ہے اور اسے دنیوی معاملات میں اثر انداز نہ ہونا چاہیے گویا وہی پرانی جاہلیت پھر سے نئی روشنی کی صورت میں عود کر آئی ہے".[1]

لہذا عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات کے متعلق جو دین میں راہنمائی ہے اس میں خیر و بھلائی ہے منظور احمد نعمانی معاملات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معاملات کو دوسرے امور کے مقابلے میں اس حیثیت سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ اس میں اپنی دنیوی منفعت, مصلحت اور اپنی خواہش نفس کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی کشمکش دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ رہتی ہے. مثلاً کاروبار میں منفعت اس میں نظر آتی ہے اور نفس کی خواہش بھی عموماً یہی رہتی ہے کہ جھوٹ، سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ رکھا جائے بلکہ جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی زیادہ نفع کی امید ہو وہ کر گزرا جائے لیکن دین یہ کہتا ہے کہ خبردار، چاہے سراسر نقصان ہو رہا ہو لیکن جھوٹ ہر گز نہیں بولنا اور وہی طریقہ کاروبار میں اختیار کرو جو اللہ نے حلال کیا ہے".[2]

اسی طرح دوسری حدیث میں معاملات کی اصلاح کو روزہ, صدقہ اور نماز سے افضل بتایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1]: مولانا عبد الرحمن کیلانی، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور ص: ۲/ ۳۶۵

[2]: منظور نعمانی، دین و شریعت، ادارہ اسلامیات لاہور، ص: ۱۶۶

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: «إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ،وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْحَالِقَةُ[1]

کیا میں تمہیں روزے، نماز اور صدقے سے بڑھ کر افضل درجات کے اعمال نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ ﷺ نے فرمایا: آپس کے معاملات اور روابط کو بہتر بنانا (اور اس کے برعکس) آپس کے معاملات اور روابط میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) مونڈھا دینے والی خصلت ہے۔

ان تمام دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں معاملات کی کتنی اہمیت ہے مگر افسوس! کہ آج کا مسلمان افراط و تفریط کی رو میں بہہ گیا، اگر کوئی حقوق اللہ ادا کر رہا ہے تو حقوق العباد سے بالکل بے خبر ہے اور اگر کوئی حقوق العباد ادا کر رہا ہے تو وہ حقوق اللہ سے غفلت کا مرتکب ہے اور المیہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہت کم لوگ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرتے ہیں. الغرض! حاصل کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے روزمرہ کے تمام امور میں قرآنی اسلوب زندگی اور احکامات الٰہی کے سنہری اصول و قوانین کو اپنا حرز جان بنانا چاہیے تاکہ دنیا و آخرت کی سعادتوں کے ہم مستحق ہو سکیں۔

دنیا میں جو قومیں ترقی کرتی ہیں تو ان میں امانت و دیانت کا وصف ہوتا ہے اللہ نے مسلمانوں کو خوب زور دیا ہے کہ وہ امانت و دیانت کو اپنا شعار بنائیں. ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ[2]

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ ہی جانتے بوجھتے ہوئے اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

دوسری جگہ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[3]

---

[1]: ابوداؤد، سنن ابی داؤد، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ، حدیث نمبر: ۴۹۱۹

[2]: الانفال: ۲۷

[3]: النساء: ۵۸

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان تک پہنچادو۔

ان دونوں آیات سے یہ ہی سبق ملتا ہے کہ امانتوں کوامانت والوں کے سپرد کردیا جائے۔

غیر قرآنی اسلوب زندگی کا مفہوم، نقصانات اور قرآنی حل

قرآن کریم ایک دستور حیات ہے جسے ہر مسلمان کو اپنی زندگی میں اپنانا ہے، یہ انسانی زندگی کے نشیب و فراز اور زندگی کی تمام مشکلات اور مسائل کا حل بیان کرتا ہے، اس کا پیغام نہایت طاقتور اور بے پناہ قوت کا حامل ہے۔ واللہ عزوجل نے فرمایا:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ[1]

اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جارہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔

یعنی یہ قرآن کریم صرف کتاب تلاوت نہیں بلکہ یہ ایک پیغام کی حامل کتاب ہے اس میں نہایت قوت اور طاقت ہے اس کے پیغامات اور احکامات پہاڑوں اور زمینوں کے حوالہ کئے جاتے، تو اس کی اہمیت اور قوت کی وجہ سے یہ پہاڑ عدم تحمل کی وجہ سے جھک جاتے ہیں اور ایک جگہ اس مفہوم کو یوں فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا[2]

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھالیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں احکام خداوندی جس کو قرآن اور احادیث نبویہ مشتمل ہیں، اللہ عزوجل نے ان احکام کو آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اس کے تحمل اور اس کی بجاآوری سے انکار کیا اور سہم گئے اور اولاد آدم علیہ السلام نے ان احکامات اور قرآن وحدیث کو اپنی عملی زندگی میں اختیار کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس

---

[1]: الحشر:۲۱

[2]: الاحزاب:۷۲

نے اس کی کماحقہ تکمیل نہیں کی جس کی وجہ سے اس کو ظالم اور جاہل کہا گیا، وہ احکام خداوندی اور امور شریعت، جو قرآن و حدیث پر مشتمل تھے ان پر عمل پیرا ہونے سے پیچھے رہ گیا جو اس کو دونوں جہانوں میں کامیابی و کامرانی کی منزل سے ہم کنار کر سکتے تھے۔

اور ایک جگہ فرمایا کہ جو قرآن کو ترک کرتے ہیں، اس کو پس پشت ڈال کر اپنی زندگی گزارتے ہیں، اس کے آیات واحکام اور معانی و مطالب پر غور وخوض کر کے اس کو زندگی میں اپنانے کی کوشش نہیں کرتے ان کے تعلق سے قرآن کریم کہتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى - قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا- قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى - وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى[1]

اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اسے یقیناً ایک تنگ زندگی نصیب ہوگی اور بروز قیامت ہم اسے اندھا محشور کریں گے۔ وہ کہے گا: پروردگارا! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟ جواب ملے گا: ایسا ہی ہے! ہماری نشانیاں تیرے پاس آئی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا تھا اور آج تو بھی اسی طرح بھلایا جا رہا ہے۔ اور ہم حد سے تجاوز کرنے والوں اور اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان نہ لانے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ شدید اور تادیر باقی رہنے والا ہے۔

یعنی جو شخص میرے ذکر (قرآن کریم اور پیغمبر قرآن) سے اعراض کرتا ہے، اس کی طرف توجہ نہیں دیتا، قرآن کریم کو پس پشت ڈالتا ہے، اللہ اس کی زندگی میں بے چین، پریشان حال کر دیتے ہیں۔ قیامت کے روز وہ فہم وادراک، عقل ودانش، بصارت ارو بصیرت سے محروم ہوگا۔ اسے جہنم کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس نے اللہ کے احکامات کو ان سنا اور ان دیکھا کیا ہوگا۔ اس بصارت و بصیرت کے کھونے پر جب وہ سوال کرے گا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ فرمائیں گے! کہ تم نے اللہ اور اس کے رسولوں کے پیغام کو

[1]: طٰہٰ: ۱۲۴تا۱۲۷

پس پشت ڈالا اور ان کو بھول گئے۔ ہم نے بھی آج اسی طرح تمہیں بھلا دیا اور بصارت و بصیرت سے محروم کیا۔

کتنی سخت سزا اور وعید ہے غیر قرآنی زندگی کے نقصان اور خسارہ سے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یعنی ترک قرآن دنیا و آخرت دونوں جہاں میں ناکامی خست وذلت کے باعث ہیں اس پر عمل پیرا ہونا اور قرآن کریم کو دستور حیات بنانا اور اس کے پیغام کو عام کرنے اور اس کو سیکھنے سمجھنے اور اس کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنانے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے دونوں جہاں میں چین، سکون، راحت، آرام اور ہر دو جہاں کی کامیابی نصیب ہوسکتی ہے ورنہ یہ جہاں بھی پریشانیوں کی آماجگاہ اور روز قیامت بھی سوائے افسوس، ناکامی اور نامرادی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ غیر قرآنی اسلوب زندگی غیر اسلامی ڈھانچے میں ڈھلی زندگی کامیابی کی ضمانت نہیں بلکہ دونوں جہاں میں ذلت کا سبب ہے۔

نتائج بحث/حاصل کلام

خلاصہ یہ ہے کہ آج کے اس دور میں جب کہ ہر طرف سے مسلمانوں پر گھیرا تنگ کیا جارہا ہے، مسلمانوں کو مٹانے اور ان کو زیر کرنے کی تگ ودو جاری ہے، مسلمانوں پر دہشت گردی اور اسلام کے پاک چہرے پر کیچڑ اچھالنے اور اسلامی تعلیمات کی شبیہ خراب کرنے کی ہر طرف سے کوشش ہو رہی ہے، ہمیں ایسے وقت میں قرآن کریم کو رہنما اور رہبر اور اس کی تعلیمات اور احکامات کو سمجھنے اور عام کرنے اور قرآن کریم کے اصول وضوابط کی روشنی میں اور احادیث نبویہ کی توضیح و تشریح کے ضمن میں زندگی کے ہر مسئلے کے حل کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم قرآن کی رسی کو تھام نہ لیں گے، تب تک رسوا اور ذلت اٹھانا ہو گی۔ یہ تگ ودو نہ صرف انسان کو اس دنیا میں سرخ روئی اور کامیابی سے سرفراز کرے گی بلکہ وہ آخرت میں بھی کامیابی اور کامرانی سے سرفراز ہو جائے گا۔ قرآن ہمیں پیغام دیتا ہے کہ:

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ[1]

[1]: المائدہ:۱۶

اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سلامتی کی راہوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو اس کی رضامندی کا تابعدار ہوا انہیں اپنے اذن سے تاریکی (گمراہی) سے روشنی (ہدایت) کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ: ۳۸ میں بھی انعام کا ذکر ہے ان لوگوں کو جو اس رہنمائی پر چلے ان کو نہ کوئی خوف ہوتا اور نہ کوئی غم ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہے، بلا شبہ انسان پر مختلف حالات آتے ہیں، کبھی کبھی ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے الجھنیں اور مسائل کے بھنور میں انسان پھنس بھی جاتا ہے، لیکن ایمان میں اتنی مضبوطی ہو کہ اس کے تقاضوں پر عمل کرنے میں کبھی کوتاہی اور سست روی پیش نہ آئے، نماز، روزہ، انفاق فی سبیل اللہ، اخلاق وانسانیت، ہمدردی اور خیر خواہی اور جتنے بھی اسلامی احکام ہیں، ان کی رفتار میں کوئی فرق نہ آئے، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حال میں خدا کی شہنشاہی، عظمت و کبریائی کا اعتراف ہو، اس کی بڑائی میں کسی کو شریک کرنے کا تصور تک نہ آئے عبادت ہی تخلیق انسانی کا بنیادی مقصد اور غرض ہے، اگر کوئی اپنے مقصد کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو وہ غیر قرآنی اسلوب زندگی گزار کر معصیت الٰہی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی ناراضگی سے غضب اور سزا کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ قرآن میں واضح طور پر ارشاد فرمادیا گیا ہے:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا[1]

اور رسول ﷺ کہیں گے! اے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

آج مسلمان تارک قرآن ہو کر دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں علامہ اقبال نے اسی کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر　　　تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر[2]

قرآن سے دوری ہی اصل میں بے سکونی و بے چینی کا سبب ہے اور یہی غیر قرآنی اسلوب زندگی ہے جس کی وجہ سے بے حیائی برائی عام ہے فرض کو بوجھ سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے قرآن اور ایمان دل میں جب تک نہ اترے گا۔ قوم تب تک اللہ کے غضب کو دعوت دینے اور اس کی ناراضگی کا سبب بننے کے کاموں کے سبب

[1]: فرقان: ۳۰

[2]: علامہ اقبال، کلیات اقبال، جواب شکوہ، اقبال اکادمی لاہور

مشکل میں رہے گی اتحاد امت کے لئے بھی قرآن کو تھامنا ہی ضروری ہے محمد ﷺ نے بوقت وفات بھی یہی کہا تھا کہ:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ[1]

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔

یعنی جب تک قرآن کریم اور سنت رسول کی تعلیمات کو مسلمان اپنائے رہے گا تو پھر اس کے گمراہ ہونے اور اس کے ذلت و خست میں پڑنے کا کوئی امکان نہیں، وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے نہیں ہو گا، وہ نہایت سیدھی اور سچی راہ پر چل کر جس میں کوئی اندھیر نہیں راہ عالم بقا ہو جائے گا، اسے دنیا و آخرت دونوں کی کامرانی اور کامیابی اور سرخ روئی حاصل ہو گی۔ یعنی اُخروی نجات اور دنیاوی سکون اسی پر موقوف ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ! ہمیں اپنی زندگی اور اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کیا ہم رب کی بندگی کا حق ادا کر رہے ہیں؟ کیا خدا کے اتنے عظیم احسانات کا شکر ادا ہو رہا ہے ؟ افسوس کہ اللہ کے بے پایاں احسانات اور اس کے غیر معمولی انعام واکرام سے استفادہ ہم شب و روز کرتے ہیں، مگر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جس ذات نے ہمارے اوپر اتنا انعام کیا اور جس کے احسان سے ہم کبھی سبکدوش اور بے نیاز نہیں ہو سکتے اس کی عبادت اور دیے گئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گذارنے کے ہم پابند ہیں، جو زندگی قرآنی اسلوب اور محمد ﷺ کی نافرمانی کے بناء ہو گی اور اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتے وقت زادراہ سے خالی ہو گی۔ تو اس کے لئے دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی ہی ہو گی۔

قرآن کے ساتھ اپنے لگاؤ اور تعلق کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ زندگی قرآن کے مطابق گزاری جائے تو تمام مقاصد قرآن سمجھ آتے ہیں جو نفس انسانی کی تہذیب، رد عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی نفی ہے اور یہی مومن سے مطلوب الٰہی ہے۔ دنیا کے علوم کا مخزن قرآن حکیم ہی ہے سب علوم کی کونپلیں اسی سے پھوٹتی ہیں اور سب اسی قرآن کے محتاج ہیں اس لئے ضروری ہے کہ زندگی کو بامقصد بنایا جائے بے مقصد زندگی سے نکلا جائے۔ ہوائے نفس کی پیروی کی بجائے الٰہی احکامات کی پیروی کی جائے اتباع رسول ہو تو زندگی کا اسلوب قرآن کے مطابق ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں زندگی سے آہستہ آہستہ سب گھٹائیں اور خزائیں جھڑ

[1]: موطاامام مالک، [كِتَابُ الْقَدَرِ]، النَّهْيُ عَنِ الْقَوْلِ بِالْقَدَرِ، حدیث نمبر:۳۳۳۸/۶۷۸

جائیں گی ہدایت کی روشنی چمکے گی۔ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی رحمت، سکون اور عافیت اُخروی نجات کی ضامن ہے۔

سفارشات:

❖ جامعات میں باقاعدہ پانچ منٹ ایک آیت کی تفہیم میں لازماً صرف کرنے کو روزانہ ایک آیت سے اخذ بات بتائی جانی چاہیے طالب علم کا تعلق کسی بھی مضمون یا شعبہ سے ہو۔ اس کے لئے اساتذہ کی بھی ورکشاپس کروائی جائیں۔

❖ عملی زندگی میں ہمیں قرآن کو سیکھنے اور عربی زبان کی تفہیم اور براہ راست قرآن و حدیث سے استفادہ اور ناظرہ و قرآن کے مکاتب اور مدارس اور قرآن و تفسیری حلقوں سے استفادہ اور تجوید قرآن و تصحیح قرآن کے حلقوں سے استفادہ کی ضرورت ہے۔

❖ قرآن کی اہمیت اجاگر کرانے کے لئے ڈاکومینٹریز بنائی جانی چاہئیے اور اس پر آج کے دور کی مثالیں ہر عمر کے دور کے مطابق لوگوں کے انٹرویوز کئے جائیں اور دکھائیں جائیں تاکہ قرآن سے لگاؤ اور رغبت پیدا ہو۔ اس میں ہر لیول کے مطابق اس کو باقاعدہ ارینج کیا جانا چاہئیے بلکہ ممکن ہو کہ قرآنی زندگی اصل میں ہے کیا؟ اس پر لیکچر میں دلچسپی پیدا ہو اور امت کا اتحاد کس طرح ممکن وہ سکتا ہے؟ قرآن کیسے بہار ہے؟ اس پر سیمینارز بھی منعقد کیے جانے چاہئیں۔

مصادر و منابع

۱. القرآن
۲. صحیح مسلم
۳. علامہ اقبال، کلیات اقبال، جواب شکوہ، اقبال اکادمی لاہور، ۲۰۰۴ء
۴. علامہ اقبال، رموز بے خودی، کتب خانہ نذیریہ اردو بازار دہلی
۵. علامہ اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، اقبال اکیڈمی لاہور
۶. علامہ اقبال، کلیات اقبال، رموز بے خودی، اقبال اکیڈمی لاہور
۷. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور
۸. The New Encyclopedia Britannica
۹. مولانا عاصم نعمانی، نماز کا مقام
۱۰. منظور نعمانی، دین و شریعت، ادارہ اسلامیات لاہور